ڈاکٹر ثریا ڈار

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی سیاسی تحریک

کا پس منظر اور ان کی مساعی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث نے ابتری، بدنظمی اور خوں ریزی کے پُرفتن اور پُرآشوب دور میں اپنی سیاسی تحریک اور تجدیدی مساعی کا آغاز کیا۔ شمال اور جنوب میں مرہٹوں اور سکھوں کا طوفان، دہلی پر نادر شاہ کا حملہ، پانی پت میں احمد شاہ ابدالی کا مرہٹوں کو شکست دینا اور بنگال میں انگریزی فوجوں کا سراج الدولہ کو موت کے گھاٹ اتار کر غیروں کی شہنشاہیت کا پرچم لہرانا، سلطنتِ مغلیہ کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو بجھانے کی سب سے بڑی وجہ تھیں۔ ان حالات میں مغلیہ سلطنت کو بحال کرانا مشکل ہی نہیں ناممکن امر تھا، لہٰذا اس دوران میں شاہ صاحب معاشرے و امت کو ضلالت و گمراہی کے گہرے غار میں گرنے سے بچانے کے لیے تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ حکیم الہند شاہ ولی اللہ نے اس زمانے کی دفتری زبان فارسی میں بیسیوں کتابیں تصنیف کیں اور ان میں اپنی دعوت کے اصول و مسائل کو ایک ہی جگہ قلم بند نہیں کیا بلکہ نااہل لوگوں کی دست برد سے بچانے کے لیے انھیں مختلف کتابوں میں پھیلا کر بیان کیا۔

اس وقت تمام دنیا میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً اسلام پر ضعف اور کمزوری کے آثار بہت حد تک نمایاں تھے۔ اپنے وطن کی تباہی و بربادی اور دوسرے ممالک کے حالات کا جائزہ لینے کے بعد شاہ صاحب اس نتیجے پر پہنچے کہ اس تباہی کی اصل وجہ انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبے پر چھایا ہوا فرسودہ اور بے کار نظام ملوکیت اور شہنشاہیت ہے۔ لہٰذا سب سے پہلا کام فک کل نظام یعنی سیاسی اور سماجی زندگی کے ہر شعبے میں ہمہ گیر انقلاب برپا کرنا ہے۔ چنانچہ ان کی سیاسی تحریک کا اصل مقصد مذہب کی روح کو اجاگر کرنا، عدل و انصاف کی تفصیلات بیان کرنا تھا۔ وہ اپنی ہمہ گیر تحریک کے تحت مسلمانوں کو غیر مسلموں کے اقتدار اور ان کے بے پناہ مظالم سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنی تجدیدی دعوت میں زندگی کی وسعت پذیری اور

ری کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیا، جس کے طرزِ فکر کا دارومدار عام مسلمانوں پر تھا۔ حکیم الامت شاہ للہ ہندوستان کی مرکزیت کو بحال رکھنے کے لیے ہندوستان کی ساری قلمرو ایک بادشاہ، ایک قانون اور ایک ی نظام کے تحت دیکھنے کے خواہش مند تھے، یعنی عدل و انصاف قائم کرنے والی جمہوری حکومت۔ شاہ صاحب ، مجوزہ نظام میں کچھ اختلاف اور کچھ موافقت کے ساتھ اکبر، جہانگیر، شاہ جہان اور اورنگ زیب کے زمانے رکزیت اور سلطنتِ ہند کے اقتدارِ اعلیٰ کو بحال دیکھنا چاہتے تھے، لیکن جاٹوں، سکھوں، مرہٹوں، نوابانِ اودھ اور ہیلوں کی بغاوتوں نے اس کی مرکزیت کو تباہ کر دیا تھا، لہذا اس لامرکزیت کے سیلاب کو روکنے کے لیے شاہ صاحب ، ایک نیا دستورِ حیات پیش کیا اور اس کے ساتھ ساتھ تربیتی مراکز قائم کر کے ایک نئے ہندوستان کا تصوّر ش کیا۔ اس تصوّر کی تکمیل ان کے خلفا اور بالخصوص ان کے جانشینِ اکبر شاہ عبدالعزیز نے سرانجام دی۔

شاہ ولی اللہ نے بارہ برس کے مطالعہ کے بعد اپنے اصلاحی پروگرام کے دو اصول متعین کیے۔ ایک تو قرآن ہم کی حکمتِ عملی یعنی انسانوں کی عملی زندگی قرآنی تصورات و احکام کی آئینہ دار ہو۔ اس زمانے کے مسلمانوں ، مذہبی زبان عربی تھی اور عام پڑھے لکھے لوگوں کی زبان فارسی تھی، چنانچہ شاہ صاحب نے سب سے پہلے قرآن اس زمانے کی دفتری زبان فارسی میں ترجمہ کیا تاکہ کلامِ الٰہی کو زیادہ سے زیادہ لوگ سمجھ سکیں۔ اس پر جاہ پرست لما اس قدر برافروختہ ہوئے کہ تلواریں میانوں سے نکل آئیں اور فتح پوری کی جامع مسجد میں ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ن پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن وہ اس خوفناک حالت میں ایک پتلی لکڑی ہاتھ میں لیے اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے اس خونی مجمع کو چیرتے ہوئے نکل گئے۔

شاہ صاحب نے قرآن پاک کے اس فارسی ترجمے کے حواشی پر وہ تمام چیزیں جمع کر دی ہیں، جو ان کی دعوت تجدید میں اساس کا حکم رکھتی تھیں۔ سب سے پہلی بات یہ کہ مکہ معظمہ میں ایک مستقل اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آ چکا تھا۔ گو اس زمانے میں تشدد اور لڑائی کی اجازت نہیں ملی تھی۔ سورۂ رعد کے آخری حصے میں : " أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ " کے معنی کی وضاحت فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ اسلام کی عظیم الشان حکومت سرزمینِ عرب میں روز افزوں ترقی پر تھی اور دار الحرب کا دائرۂ اثر آہستہ آہستہ کم ہو رہا تھا۔ دار الحرب کے دائرۂ اثر کے کم ہونے سے مراد عرب کے مختلف قبائل مثلاً اسلم، غفار، جہینہ،

مزینہ اور بعض یمنی قبائل کا حلقہ بگوش اسلام ہونا ہے۔ یہ واقعہ ہجرت سے قبل کا ہے۔ الغرض شاہ صا
کے نزدیک مکہ مکرمہ میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ یہ حکومت امن و سلامتی کے اصولوں پر عامل تھ
شاہ صاحب نے بھی اسی نظام مکی کی تقلید کرتے ہوئے اپنی انقلابی تحریک کو جاری رکھا۔ انھوں نے تصوف ۔
خاص طریقے کی بیعت کو اپنے سیاسی نظام کی اساس بنایا۔ لہذا اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے امن وسلا
کی راہ اختیار کی اور ان ہی اصولوں پر اپنی جماعت تیار کی۔ شاہ صاحب طوائف الملوکی کے اس دور میں اگر چا
تو ہمدردئ نوع انسانی کی خاطر دیگر جنگ جُو سرداروں کی طرح تلوار ہاتھ میں لے کر فوج بھرتی کر کے کسی علاقے پر
قابض ہو جاتے، لیکن وہ تشدد کے قائل نہ تھے اس لیے کہ اس سے جماعت کا نصب العین "ہمہ گیر انقلاب"
پایۂ تکمیل کو پہنچتا، بلکہ وہ ایسی فوجی قوت سے جس کی تربیت جہاد کے اصول پر ہوئی ہو، انقلاب کے حامی تھے۔
اسی لیے انھوں نے اپنی زندگی میں ہی اصلاحی نظریات کے مطابق تربیتی مراکز قائم کیے تاکہ اس میں ایسے سرفروش مجاہد
تربیت حاصل کریں جو اپنی ذات اور ذاتی مفادات کو ختم کر کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں
اور آپ اپنے اس مقصد عظیم میں کامیاب رہے۔ ان کے بعد ان کے جانشین اعظم شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے
حکومت چلانے کے لیے آدمی تیار کر لیے۔

قرآن پاک کی حکمت عملی کے بعد شاہ صاحب کے اصلاحی پروگرام کا دوسرا اصول اقتصادیات میں توازن اور
مساوات کی اہمیت واضح کرنا تھا۔ اس سلسلے میں انھوں نے اقتصادیات و معاشیات کے مسائل پر اپنی شاہ کار
کتب حجۃ اللہ البالغہ اور بدور بازغہ میں " ارتفاقات " کے عنوان سے جو اصول پیش کیے ہیں، اگر کوئی مسلم حکومت
انھیں اپنا دستور اساسی بنالے تو اس کی مملکت یقیناً اقتصادی بے چینی اور طبقاتی کش مکش سے بڑی حد تک محفوظ
رہ سکتی ہے۔ ان ہی ابواب ارتفاقات میں مالیات حکومت، نظام عدل، فوج، پولیس حتیٰ کہ بلدیات وغیرہ کی
تنظیم کا نقشہ بھی پیش کر دیا ہے۔ مثلاً حجۃ اللہ البالغہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ " اگر کسی قوم میں تمدن کی مسلسل
ترقی جاری رہے تو اس کی صنعت و حرفت انتہائی کمال پر پہنچ جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر حکمران جماعت آرام و
آسائش اور زینت و تفاخر کی زندگی کو اپنا شعار بنالے تو اس کا بوجھ قوم کے کاریگر طبقات پر پڑ جاتا ہے۔
انسانیت کے اجتماعی اخلاق اس وقت برباد ہوتے ہیں، جب کسی جبر سے ان کو اقتصادی تنگی پر مجبور کیا جائے۔
اس وقت وہ گدھوں اور بیلوں کی طرح کام کریں گے۔ انسانیت پر ایسی مصیبت نازل ہو تو خداوند تعالیٰ انسانیت

کو اس سے نجات دلانے کے لیے کوئی راستہ ضرور سمجھاتا ہے یعنی ضروری ہے کہ قدرتِ الٰہیہ انقلاب کے سامان پیدا کر کے قوم کے سر سے ناجائز بوجھ اُتار دے۔ چنانچہ قیصر و کسریٰ کی حکومت نے یہی وتیرہ (آرام و آسائش رفاہیت بالغہ) اختیار کر رکھا تھا۔ اس مرض کے ازالے کے لیے اُمیین (عربوں) میں رسول کو پیدا کیا گیا۔ فرعون کی ہلاکت اور قیصر و کسریٰ کی تباہی اس اصول پر لوازم نبوت سے شمار ہوتی ہے۔[1]"

شاہ صاحب کے اس قول سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ انسانوں کی اجتماعی زندگی کے لیے اقتصادی نظام کی اشد ضرورت ہے۔ اقتصادی نظام کے درست اور متوازن ہونے کے نتیجے میں انسانی اجتماع کے اخلاق علیٰ بنیادوں پر تعمیر ہوں گے۔ اخلاق کی یہ تعمیر و تکمیل موت کے بعد اسے جنت کا مستحق قرار دے گی اور انسانی اجتماع کو اس ارتقائی منزل پر چلانا انبیا اور ان کے متبعین یعنی صدیق اور حکیم کا کام ہے، جن کے ذریعے انسانیت کے مجموعی مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ شاہ صاحب کے نزدیک اقتصادی توازن کے یہی معنی ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریے کے مطابق اقتصادی عدم توازن نے مذہب کے سر بفلک قلعوں کو مسمار کیا ہے۔ لہٰذا سوسائٹی کی اقتصادی اصلاح، مذہبی و اخلاقی عظمت اور روحانی کمالات کا سب سے پہلا زینہ ہے۔ روحانیت اور فلسفۂ اخلاق کے بہترین ماہر شاہ ولی اللہ سوسائٹی کی اقتصادی اصلاح کو انبیا علیہم السلام کی تعلیم کا اہم جز قرار دیتے ہیں۔

شاہ صاحب اپنے اس لائحہ عمل کو ایک مدلل شکل میں اپنی قوم کے اربابِ فکر کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے اور اس منصب کے لیے حدیث و فقہ میں مجتہدانہ کمال کے حصول کی خاطر حرمین شریفین تشریف لے گئے۔ دو سال کے قلیل عرصے کے قیام کے دوران میں اعلیٰ علمی کتابوں اور جلیل القدر اساتذہ سے استفادہ کیا۔ شاہ صاحب نے جمعے کی رات ۲۱ ذیقعدہ ۱۱۴۴ھ / ۱۷۳۱ء میں مکہ معظمہ میں یہ الہامی خواب دیکھا تھا کہ "ملک الکفار مسلمانوں کے شہروں پر قابض ہو گیا ہے۔" اس خواب کا مشاہدہ ان کو بعد میں یوں کروایا گیا کہ لال قلعے پر مرہٹوں نے قبضہ کر لیا۔ پھر انھوں نے خواب میں یہ بھی دیکھا تھا کہ میں قائم الزمان ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک ذریعہ بنایا گیا ہوں۔[2]"

---

[1] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ: ج ۱، باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح رسوم مطبع المصریۃ السنیہ، ۱۲۸۴ھ ص ۰۰۰

[2] شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین مترجم مولانا عبدالرحمٰن صدیقی کاندھلوی، ص ۸۸، ۸۹ مطبع سعیدی کراچی، سن ندارد۔

تیس سال بعد ۱۷۶۲ء میں معرکۂ پانی پت میں اس خواب کی تعبیر عمل میں آئی۔ شاہ ولی اللہ کے خاص عقیدت مند نواب نجیب الدولہ اور ان کے رفقائے کار نے ان کے مشورے سے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ پانی پت میں احمد شاہ ابدالی کی کامیابی نے دہلی کے سیاسی افق کو مرہٹوں کے بڑھتے ہوئے خطرات سے محفوظ کر دیا۔

شاہ ولی اللہ نے قرآن پاک اور احادیث شریف پر مبنی اخلاق و روحانی اصول کے تابع انقلابی تحریک کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں حکیم الہند نے اپنا ایک نصب العین متعین کیا اور اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایک مرکزی جمعیت بنائی۔ اس جمعیت کے نمایاں ارکان مولانا محمد عاشق پھلتی، مولانا نور اللہ بڈھانوی، مولانا محمد امین کشمیری، حضرت شاہ عبد العزیز اور مولانا مخدوم لکھنوی تھے۔ اس جماعت کی علمی و عملی تربیت کے مراکز مختلف مقامات پر قائم تھے۔ سب سے پہلا اور بڑا مرکز دہلی تھا، جو براہ راست شاہ صاحب کی نظروں کے سامنے تھا۔ دوسرا رائے بریلی کا مشہور اور تاریخی مرکز "دائرۂ شاہ علم اللہ" کے نام سے موسوم تھا۔ یہ علمی و عملی مرکز اس علاقے میں تقریباً نصف صدی پہلے سے تعلیم و تربیت کا سرچشمہ بنا ہوا تھا۔ سلطان ٹیپو کی روحانی وابستگی بھی اسی مرکز سے تھی۔ اس مرکز میں کام کرنے والے نسبی لحاظ سے تو شاہ علم اللہ سے وابستہ تھے لیکن علمی و عملی لحاظ سے شاہ ولی اللہ کے تربیت یافتہ اور ان سے مستفید تھے۔ اس تربیت گاہ کے علما و فضلا میں سے شاہ محمد واضح، شاہ ابو سعید، سید محمد معین اور حضرت سید محمد لقمان تھے جنھوں نے شاہ ولی اللہ سے استفادہ کیا تھا۔ ان دو مراکز کے علاوہ تیسرا مرکز نجیب آباد، چوتھا مدرسہ ملا محمد معین ٹھٹھہ سندھ اور پانچواں اودھ کے دارالحکومت لکھنؤ میں تھا، جس میں شاہ ولی اللہ کے شاگردِ رشید مولانا مخدوم لکھنوی تقریباً نصف صدی تک مسلمانانِ ہند کو مستفیض کرتے رہے۔

شاہ صاحب نے ملوکیت اور اجارہ داری کے بدنما داغ کو دامنِ اسلام سے دھونے کے لیے انقلاب کا چراغ روشن کیا تھا، اگرچہ اس مقصد کے لیے مجاہدینِ اسلام کو تربیت دینے کے لیے مختلف مقامات پر تربیتی حلقے قائم کیے، لیکن شاہ صاحب کا انقلابی فکر، اعلیٰ درجے کی انشا پردازی اور سحر آفرین قوتِ تحریر کے باوجود نشر و اشاعت سے خالی تھا۔ انشا پردازی کی یہ طاقت صرف ان کی کتابوں تک محدود ہو کر رہ گئی، جس کی نشر و اشاعت تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد ہو سکی اور ان کے دور میں نشر و اشاعت کا ذریعہ تقریریں اور تعلیم و تربیت کے مندرجہ بالا

حلقے تھے۔ طوائف الملوکی اور دن رات کے قیامت خیز ہنگاموں کے باعث شاہ صاحب کو اپنے انقلابی منشور کو یک جامد تدن و مرتب کرنے کا موقع نہ ملا۔ ان تمام حالات کے باوجود شاہ صاحب کی یہ جماعت طاقت در صورت میں ظاہر ہوئی۔ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں اس تحریک کے تین امام، امام شاہ ولی اللہؒ، امام شاہ عبدالعزیزؒ، امام محمد اسحاق، اور ایک امیر سید احمد شہید مقرر ہوئے۔ اس کے بعد شاہ ولی اللہؒ کی وفات (۱۷۶۲ء) سے شاہ عبدالعزیزؒ کی امامت کا آغاز ہو جاتا ہے۔

شاہ عبدالعزیزؒ کے عہد میں تربیت و تحریکِ جہاد

شاہ ولی اللہؒ کی وفات (۱۱۷۰ھ/۱۷۶۲ء) کے بعد ان کے بڑے فرزند شاہ عبدالعزیزؒ کو باپ کا جانشین تسلیم کیا گیا۔ شاہ ولی اللہ کے عہد میں ہندوستان کی سسکتی ہوئی مغل سلطنت آخری سانس لے رہی تھی، لیکن شاہ عبدالعزیزؒ کے عہد میں بالکل دم توڑ گئی۔ شاہ ولی اللہ کے عہد میں انگریز بنگال اور مدراس پر قابض ہو چکے تھے۔ بادشاہ نے ایک معاہدے کے تحت تمام قلمرو کی نظامت ایسٹ انڈیا کمپنی کے سپرد کر دی اور عملاً یہ قرار پایا کہ خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم انگریز بہادر کا۔ شاہ عالم ثانی کے بعد اکبر ثانی کے عہد میں ایک طرف تو دہلی سے کلکتے تک کے علاقوں پر انگریزوں کا تسلط قائم ہو گیا اور دوسری طرف دکن میں مرہٹے اور پنجاب میں سکھ زوروں پر تھے۔ اس سیاسی انتشار کے ساتھ مذہبی و اخلاقی لحاظ سے ہندوستان کفرستان بن چکا تھا۔ رسوم شرک و بدعت بعض علماء کے گھروں میں بھی کھلم کھلا ادا کی جاتی تھی۔ بیواؤں کا نکاح ثانی حرام اور خلافِ شرع سمجھا جاتا تھا۔ ..ل غنا و مزامیر و اختلاط امارد، عبادات اور تزکیۂ نفس میں شمار کیے جاتے تھے۔ قرآن پاک زیادہ تر مریضوں کی جھاڑ پھونک کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ حدیث و سنت کی قدر و منزلت دلوں سے اٹھتی جا رہی تھی۔ مسلمانوں میں ہمدردی، اخوتِ اسلامی، میل جول اور پیار و محبت مفقود ہو گیا تھا۔ بعض علاقوں میں بلند آواز سے اذان کہنا اور گاؤکشی پر قدغن لگا دی گئی تھی۔ ایسا بھی تھا کہ گائے کے ذبح کرنے والے کو پھانسی کی سزا ہوتی تھی۔ اگر یہی حالات تھوڑے عرصے تک برقرار رہتے تو اس ملک میں اسلام کا کوئی نام لینے والا بھی باقی نہ رہتا۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے مندرجہ بالا برائیوں سے معاشرے کو پاک کرنے کے لیے پبلک جلسوں اور عام اجتماعات میں تقریروں کے ساتھ ساتھ قوم کی علمی، اخلاقی، روحانی اور جسمانی تربیت کی اور اپنے والد بزرگوار کے مقصدِ اعلیٰ کی تعمیر کے لیے اپنے کام کو نہایت حکمت عملی اور خوش تدبیری سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

شاہ ولی اللہ نے مسلمانانِ ہند کے نئے ہندوستان کے تصور کے لیے جس فکری انقلاب کا آغاز کیا، شاہ عبدالعزیز نے اس تصور کو عام مسلمانوں کے لیے عام فہم بنایا۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے اپنے علوم و افکار کا تعارف اگر دہلی کے اعلیٰ طبقے سے کروایا تھا تو شاہ عبدالعزیز نے قوم کے متوسط طبقہ کو بیدار کرکے انھیں شاہ ولی اللہ کی زبان اور ان کے طور طریقوں پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی۔ شاہ صاحب خود دہلی میں شاہ ولی اللہ کے تربیتی مرکز سے تربیت یافتہ تھے۔ پھر اسی مدرسے سے شاہ محمد اسحاق اور حضرت سید احمد شہید کے علاوہ بے شمار لوگ تربیت پاکر اطراف ملک میں پھیل گئے۔ شاہ ولی اللہ کے زمانے میں اودھ کے مدرسہ لکھنؤ کی سرپرستی کے فرائض مولانا مخدوم لکھنوی سرانجام دیتے رہے تھے، لیکن شاہ عبدالعزیز کے زمانے میں آپ کے شاگرد رشید مرزا حسن علی صغیر محدث اور مولانا حسین احمد ملیح آبادی جیسے علما و فضلا نے شاہ عبدالعزیز کے حلقۂ درس سے فیض یاب ہوکر لکھنؤ میں عرصے تک دین اسلام کی اس شمع کو جلائے رکھا۔ شاہ عبدالعزیز کی تعلیم و تربیت اور نشر و اشاعت کے باعث ہندوستان کے تمام علمی حلقوں کا تعلق براہِ راست آپ کے علمی مرکز سے قائم ہوگیا تھا اور اہل علم کے علاوہ مسلمانانِ ہند کی وسیع تعداد اس سے متاثر تھی۔

علمی تربیت گاہوں کے علاوہ شاہ صاحب نے خود غرضی، نفس پرستی اور اقتدار پسندی سے پاک کرنے کے لیے اور صبر و ضبط، جفاکشی اور محبت و شفقت کے جذبات پیدا کرنے کے لیے مسلمانانِ ہند کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا تاکہ وہ مرہٹوں، سکھوں اور انگریزوں کا مقابلہ کرسکیں۔ اس سلسلے میں شاہ صاحب جانتے تھے کہ افغانوں میں جنگی طاقت، حربی قوت اور مردانگی و شجاعت کے جوہر موجود ہیں، اس لیے آپ نے اسلامی حکومت کے لیے مضبوط فوج فراہم کرنے کی خاطر مسلمانوں میں سے لائق فائق اور قابل و اہل لوگوں کی مدد سے کابل و قندھار کے نواح میں امارت قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس تحریک کے سلسلے میں شاہ صاحب نے پہلے اسلامی عقاید و اخلاق کے متعلق غلط فہمیوں کی اصلاح کی۔ اس طرح ایک طرف تو لوگ غلط افراد کو چھوڑ کر آپ کے گرد جمع ہوجاتے اور دوسری طرف مخالف گروہ کے لوگ آپ کی تحریک کی ترقی کی راہ میں حائل نہ ہوتے۔ اس پروگرام کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب نے انقلابی دعوتِ عام کا ایک مرکز قائم کیا، جس کے ارکان شاہ محمد اسماعیل شہید، سید احمد شہید اور مولانا عبدالحی تھے۔ شاہ محمد اسحاق کو اس نئی جماعت کا امیر اور سید احمد کو امیر الدعوات اور امیر الجہاد مقرر کیا۔ اس مقصد کے لیے دہلی کی فضا سازگار نظر نہیں آتی تھی۔ اس لیے اس جماعت نے افغانی علاقے میں جانے کا ارادہ کیا،

کیونکہ افغانوں میں سید کی امامت کو بہت جلد مانا جاتا ہے۔ اس دوران میں سید احمد شہید امیر جماعت، مولانا محمد اسمٰعیل شہید اور مولانا عبدالحی ان کے وزیر مقرر ہوئے، جنھوں نے مادی اغراض سے بالاتر ہوکر مخلوقِ خدا کی خدمت اور ان کے لیے ہر قسم کی قربانی کو ضروری قرار دیا۔ ان تربیت گاہوں اور انقلابی تحریک کے علاوہ شاہ صاحب اپنے مقررہ پروگرام کے مطابق ہفتے میں دو مرتبہ عام اجتماع سے خطاب کرتے تھے تاکہ آپ کی اس تربیتِ فکری کے ذریعے عوام میں مستقل بیداری پیدا ہو۔ شاہ صاحب نے دعوت و عمل کے باوجود بھی جب حالات کا رُخ بدلتے نہ دیکھا تو ہندوستان کے وہ علاقے جو غیر مسلم طاقت کے قبضے میں تھے، انھیں دارالحرب قرار دے دیا۔ اس میں وہ تمام علاقے بھی شامل تھے، جن پر دہلی کے بادشاہ کا برائے نام عمل دخل تھا۔ شاہ صاحب کے نزدیک سلطانِ دہلی کی برائے نام حکومت ملک کو دارالسلام نہیں بنا سکتی تھی۔ چنانچہ انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنے مذہبی فریضے کو انجام دینے کی خاطر دشمن سے مقابلہ کرکے اپنی نئی اسلامی حکومت بنائیں اور ایسی حالت میں دشمنوں کے غلبے کو ختم کرنے کے لیے مسلمان قوم کے ہر فرد پر واجب ہے کہ وہ پوری طاقت و قوت سے غیر اسلامی رجحانات کا مقابلہ کریں۔ انیسویں صدی کے آغاز میں ہندوستان میں انگریز ریذیڈنٹ آچکا تھا۔ ہندوستانی حکمرانوں اور انگریزوں کی قو[illegible] [illegible] آخری نازک ترین دور میں شاہ صاحب کے جانشینِ اعظم نے اپنے فتوے کو عملی شکل دینے کے لیے حضرت سید احمد کے ساتھ اپنے خاص مریدوں کو جسونت راؤ ہلکر کے دوست نواب امیر علی خان کی فوج میں بھرتی کروا دیا۔

وعظ و خطابت سے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب نے امام ولی اللہ کے علوم و حکمت کو تمام علما تک پہنچانے کے لیے تصانیف کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ نے شاہ صاحب کی تفسیرِ قرآن "فتح الرحمٰن" کے رموز و نکات کی وضاحت کے لیے تفسیر "فتح العزیز" لکھی۔ مثلاً شاہ ولی اللہ کی تفسیرِ قرآن میں حروفِ مقطعات کا سمجھنا بہت مشکل تھا، "فتح العزیز" میں آپ نے ان غوامض کو سہل بنا دیا۔

شاہ ولی اللہ قرآن و حدیث کی تعلیمات کی طرف توجہ دلانے کے لیے اس کے معارف اور اصولوں سے راہنمائی حاصل کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں شاہ عبدالعزیز نے شاہ ولی اللہ کی کتاب "المصفّٰی" اور "المسوّٰی" کی طرف اپنے زمانے کے علما کو راغب کیا۔

شاہ ولی اللہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں قیصر و کسریٰ کی مذمت کرتے ہوئے معیشت اور معاشرت میں

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے اخلاق و اوصاف کو اپنانے کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے۔ چنانچہ شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد بزرگ وار کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اس عہد کی سرمایہ داری اور ملوکیت کو بے نقاب کیا، جس کا اہلِ ہند کے لیے سمجھنا مشکل نہ رہا۔ لہٰذا سوسائٹی کی وضع کردہ رسموں کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے شاہ صاحب کے تربیت یافتہ نوجوانوں کے ایک گروہ نے اس کام کو خوش اسلوبی سے سرانجام دینے کا عہد کیا۔ اس مرکزی جمعیت کے سرکردہ بزرگ آپ کے تینوں بھائیوں کے علاوہ مولانا محمد اسماعیل شہید، مولانا شاہ محمد اسحاق، مولانا عبدالحی اور مولانا محمد یعقوب دہلوی تھے، جس میں بعد ازاں حزب سید احمد شہید کو بھی ضم کر دیا گیا۔

شاہ عبدالعزیز کی علمی و عملی تربیت اور وعظ و خطابت کے باعث شاہ ولی اللہ کا فکری انقلاب خصوصاً پورے ہندوستان کے مسلمانوں کا جذبہ بن چکا تھا اور ہزاروں تربیت یافتہ نوجوان اس کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر چکے تھے۔ آپ کی تعلیم کا اثر ہندوستان سے نکل کر حجاز کے ذریعے استنبول تک پہنچا۔ استنبول کے علما کی طرف سے آپ کو آستانہ تشریف لانے کی دعوت دی گئی اور کہا گیا کہ وہاں کی تمام علمی جماعتیں آپ کی سیادت میں کام کریں گی لیکن چونکہ شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد بزرگ وار کے انقلاب کے تصور کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم کر رکھا تھا، اس لیے ہندوستان سے باہر جانا پسند نہ کیا۔

الغرض شاہ عبدالعزیز اور ان کی جمعیت کے ارکان کی تعلیمی، تبلیغی، فکری اور عملی جدوجہد سے جب عام لوگ شاہ ولی اللہ کے فکری تصور سے آگاہ ہو گئے تو شاہ عبدالعزیز کو انقلابی تحریک کے دوسرے حصے کی تکمیل کے لیے ایک موزوں نوجوان کی ضرورت پیش آئی۔ یہ نوجوان سید احمد شہید تھے۔ شاہ عبدالعزیز نے ان میں کشفی کمالات اور سپاہ گری کی صفات دیکھ کر انھیں اپنی مرکزی جمعیت کا امیر الجہاد مقرر کر دیا۔ مایوسی کے اس تاریک دور میں بوڑھے امیر شاہ عبدالعزیز نے اپنے بڑھاپے اور بیماریوں کے باوجود اپنے عہد کے آخری حصے میں ہندوستان کی اسلامی ریاست میں سخت ابتری دیکھ کر اپنی جماعت کے عسکری اور تنظیمی دو الگ الگ شعبے بنا دیے۔ عسکری امور کے لیے سید احمد شہید امیر اور مولانا عبدالحی اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید مشیر مقرر کیے۔ چنانچہ تمام جماعت کے لیے یہ حکم تھا کہ ہر معاملے میں ان تینوں اصحاب کے فیصلے کو امام عبدالعزیز کا فیصلہ سمجھا جائے۔ تنظیمی امور کے لیے آپ نے مولانا محمد اسحاق کو ہر معاملے میں اپنے ساتھ شریک رکھا، یہاں تک کہ آپ کو مدرسۂ عزیزیہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر دیا اور ان کے حکم کو اپنا ہی حکم قرار دیا۔ ان تمام تمہیدی مراحل کے بعد سید احمد شہید ۱۲۳۱ھ

میں پہلی مرتبہ اپنے بورڈ کے ارکان کے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ ۔۔۔ھ میں یہ بورڈ شاہ عبدالعزیز کے حکم پر جہاد کی بیعت کی غرض سے دورے پر روانہ ہوا۔ پھر انھیں اپنی تنظیم کو مضبوط بنانے کے لیے پورے قافلے سمیت حج پر جانے کا حکم ملا۔ امیر الجہاد کی یہ دعوت وتبلیغ حزب ولی اللہ کی سیاسی پارٹی کی تشکیل و تنظیم کی ابتدا تھی۔ ۱۲۳۹ھ میں اس قافلے کی واپسی پر شاہ عبدالعزیز فوت ہو چکے تھے اور اس عسکری جماعت نے جہاد کا اعلان کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ جماعت سید احمد شہید کی قیادت میں کفار سے نبرد آزما ہوئی اور وہ کام کیا جس کی اس ملک میں اس وقت شدید ضرورت تھی۔

سطعات

از:۔ شاہ ولی اللہؒ ترجمہ:۔ سید محمد متین ہاشمی

حضرت شاہ ولی اللہ نہ صرف برصغیر پاک و ہند کی عظیم شخصیت تھے بلکہ اپنے دور میں عالمِ اسلام کی ایک نہایت قابلِ فخر اور بلند مرتبت ہستی تھے۔ وہ بہترین مصلح، بہت بڑے مصنف، اونچے درجے کے عالمِ دین، بے مثال مفسر، محدث اور فقیہ تھے۔ ان کی تصنیفات اہلِ علم کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شاہ صاحب کی گراں قدر تصنیفات میں "سطعات" کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے اردو ترجمے کی شدید ضرورت تھی۔ چنانچہ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ یہ سعادت حاصل کر رہا ہے۔ فاضل مترجم نے حل طلب مقامات پر حواشی بھی تحریر کیے ہیں۔ نیز ایک جامع مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں شاہ صاحب اور ان کے خاندان کے حالات اور ان کی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

صفحات ۱۹۲ قیمت ۱۸ روپے

ملنے کا پتا : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ لاہور